تہذیبوں کا تصادم اور فکرِ اقبال

ڈاکٹر محمد خاں اشرف
لاہور گیریژن یونیورسٹی لاہور کینٹ
drmkashraf@yahoo.com

خنجر ضمیر۔

تہذیبوں کے تصادم کا نظریہ عہدِ جدید میں امریکی سیاسی مفکر سیموئل ہو نٹنگٹن (Samuel Huntington) نے 1993 میں دیا تھا جو پہلے پہل اس کے ایک مضمون کے طور پر شائع ہوا۔ اس میں سیموئل نے یہ دلائل دیے کہ کیمونزم اور مغربی سرمایہ دارانہ نظام میں آدھ صدی سے جاری جنگ اب ختم ہو گئی ہے جس میں مغرب کو امریکی سربراہی میں فتح حاصل ہو گئی ہے ۔ اب اگلی جنگ امریکی سربراہی میں مغرب اور اسلامی دنیا میں ہو گی ۔ اس مضمون نے اس وقت ایک تہلکہ مچا دیا۔ دنیا بھر میں اس کے حق اور رد میں بہت سے مضامین لکھے گئے ، بحثیں ہوئیں ۔ دانشوروں، عالموں اور سیاست دانوں نے بیانات دیے لیکن بہت کم لوگوں کو یہ سمجھ میں آیا کہ یہ نظریہ دراصل امریکی اسٹیبلشمنٹ کا نظریہ تھا جس کو سیموئل نے دانشورانہ رنگ دیا تھا اور یہ ان کا مستقبل کا پالیسی بیان تھا۔ مسلم دنیا نے اس نظریے کے خلاف ایڑی چوٹی کے زور سے اسے غلط ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی فرق نہ پڑا۔ امریکی پالیسی نے اسے درست کر دیا۔ 11/9 نے امریکی پالیسی کو مزید تقویت دی ۔ افغانستان ، عراق ، شام، ترکی ، ایران، لیبیا پر امریکی جارحیت اور پاکستان کے خلاف دباؤ اس کا واضح ثبوت ہیں۔ اقبال نے اس حقیقت اور اس تصادم کی طرف بہت پہلے صرف اشارہ نہیں بلکہ واضح طور پر بتا دیا تھا لیکن اس طرف توجہ نہ اس وقت دی گئی اور نہ اب۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اقبال کے اس پہلو کو سمجھا جائے اور فکری اور عملی طور پر اسے سامنے رکھا جائے۔ اس مضمون میں اس کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا۔

بوّدی مچنا۔

تہذیبوں کے تصادم کا نظریہ امریکی سیاسی مفکر سیموئل ، پی ، ہنٹنگٹن (Samuel , P, Huntington) نے 1993 میں ایک سوالیہ نشانی کے طور پر پیش کیا تھا۔ پہلے پہل یہ ایک مضمون کے طور پر کونسل آف فارن افیئرز کے مجلہ ''فارن افیئرز'' میں شائع ہوا۔ (جلد: 7، شمارہ 3، 1993 آگرہ، ص ص 22-49) یہ مضمون ہارورڈ یونیورسٹی کے ایم اولن انسٹیٹیوٹ برائے سٹریٹجک سٹڈیز (اُولن ادارہ برائے تزویراتی مطالعات) کے پراجیکٹ ''سلامتی کا بدلتا ماحول اور امریکی قومی مفادات'' پر فکر وادراک کا نتیجہ تھا۔

اس مضمون میں ہنٹنگٹن نے دلائل دیے کہ کمیونسٹ روس کی شکست اور روس کی سلطنت کے انتشار سے اس سرد جنگ کا خاتمہ ہو چکا ہے جو کہ بیسویں صدی کے اوائل میں کمیونزم کے آغاز سے شروع ہوئی تھی۔ اب بین الاقوامی سیاست ایک نئے دور میں داخل ہو رہی ہے اور اس دور کے بارے میں جنگ اور تصادم کی وجوہات کے بارے میں مختلف لوگوں نے مختلف تصورات پیش کیے ہیں لیکن ہنٹنٹن کا کہنا تھا کہ اسے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اب آئندہ (یعنی بیسویں صدی کے آخری عشرے کے بعد) تصادم اور جنگ کی وجوہات اب اقتصادی یا نظریاتی نہیں ہوں گی ۔ اب آئندہ یعنی اکیسویں صدی میں انسانوں کے درمیان تصادم اور جنگ کا باعث اور جاری سبب ثقافتی ہو گا۔ اس میں ریاستیں بین الاقوامی معاملات وتعلقات میں طاقت ور ترین کردار باقی رکھیں گی لیکن عالمی سیاست کے تصادم اور جنگ مختلف تہذیبوں ، گروہوں اور ان سے تعلق رکھنے والی اقوام کے درمیان ہوں گے ۔ اس نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ اکیسویں صدی کے تصادم اور جنگیں مختلف تہذیبوں کے درمیان ہوں گی اور ان کا سبب ان کے تہذیبی اختلافات ہوں گے ۔ اس کے الفاظ میں کہ مختلف تہذیبوں کے درمیان

اختلافی خطوط مستقل کے جنگی محاذ ہوں گے اور یہ بین الاقوامی جنگوں کا ایک نیا ارتقائی سلسلہ ہوگا۔

ہنٹنگٹن نے یہ نظریہ آج سے ربع صدی پہلے پیش کیا تھا اور اس کی پیشین گوئی کے اولین آثار ظاہر ہو چکے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہنٹنگٹن کا یہ نظریہ امریکی سینیٹ ڈیپارٹمنٹ کا نظریہ تھا۔ اکیسویں صدی میں تہذیبوں کے درمیان کشمکش شدت سے بڑھی ہے۔ ہنٹنگٹن نے اپنے مطالعے میں یہ بھی واضح کیا تھا کہ امریکہ اور یورپ دراصل مغربی عیسائی تہذیب سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ تہذیب عربوں اور چائنیز اور انڈین تہذیبوں سے بہت مختلف ہے۔ اس نے تہذیب کی یہ تعریف کی:

"تہذیب انسانوں کے درمیان کی ثقافتی گروہ بندی کا اعلیٰ ترین سطح اور ثقافتی و تمدنی شناخت کا ایسا درجہ ہے جس کے مطابق وہ اپنی پہچان کراتے ہیں۔ ان کی زبان، تاریخ، تہذیب، رسم و رواج، ادارے اور ان کے پیشِ نظر ان کی معروضی پہچان کے مشترک عناصر اس کو متعین کرتے ہیں۔"

اس کے نزدیک تہذیب حرکی وجود ہیں۔ ان میں عروج و زوال ہوتا ہے۔ یہ آپس میں ملتی رہتی ہیں اور جدا ہوتی رہتی ہیں۔ اور اکثر اوقات فنا بھی ہو جاتی ہیں۔ دراصل انسانی تاریخ کی وسعتیں تہذیبوں کی داستانوں پر مشتمل ہیں۔ اس کے نزدیک اس وقت دنیا میں سات آٹھ بڑی اور کل چھوٹی بڑی ملا کر کوئی 20 تہذیبیں ہیں ان میں زیادہ اہم مندرجہ ذیل ہیں:

مغربی، چائنیز، جاپانی، اسلامی، ہندو، سلاو، روسی، جنوبی امریکی، امریکی۔

لیکن اس کے خیال میں زیادہ امکان اس بات کے ہیں کہ اگلا بین الاقوامی تصادم مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب کے درمیان ہوگا جس کو شاید چائنیز تہذیب کی مدد حاصل ہوگی۔

یہ تو تہذیبوں کے تصادم کے نظریے کا اجمالی بیان ہے اور مغرب خاص کر امریکہ اور صدر ٹرمپ کی پالیسیاں ظاہر کر رہی ہیں کہ وہ اس حقیقت کو مان کر اس کے مطابق عمل کر رہے ہیں۔ ان کی موجودہ پالیسیاں اس حقیقت کی نشان دہی کر رہی ہیں کہ وہ اسلامی تہذیبی وجود کو شکست و ریخت سے دوچار رکھیں اور اس کو باہر سے کوئی مدد حاصل نہ ہو سکے تاکہ کسی شدید تصادم کی نوبت ہی نہ آسکے۔ ان کی پالیسیاں اور عمل اس موجودہ تصادم کی پیش بندی کی طرف ہیں اور ان کا ارادہ ہے کہ جس طرح سرمایہ داری اور اشتراکیت کے تصادم میں انھوں نے سرد جنگ کے ذریعے کمیونسٹ روس کو ختم کر دیا اسی طرح اس پیش بندی سے اسلامی تہذیب سے تصادم کے خطرے کو بھی وجود میں آنے سے پہلے ختم کر دیں۔

اکیسویں صدی کے اس منظر نامے کا اقبال کی اس فکر سے کیا تعلق ہے جو ایک صدی پیشتر اس نے بیسویں صدی کے آغاز میں پیش کیا تھا۔ کیا اقبال کے ہاں اس تصادم کا کوئی بیان، اس کے نظریے کا سراغ ملتا ہے اور آج کے پس منظر میں ہم اس سے کیا نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔

یہ بات نہایت درست ہے کہ اقبال کے ہاں بھی ہمیں تہذیبوں کے تصادم کے ایک خاص نظریے کا سراغ ملتا ہے۔ اقبال نے اس تہذیبوں کے تصادم کی پیشین گوئیاں کی ہیں اور اس کے نتائج سے خبردار بھی کیا ہے۔ آیئے آج کے آئینے میں ہم ایک صدی پہلے کہے گئے اقبال کے افکار کی جھلک دیکھتے ہیں۔

یہ سوال اہم ہے کہ ایک صدی پیشتر کے کہے گئے کسی شاعر کے کلام سے نظریات و تصورات اخذ کر کے ہم آج کے منظر نامے کی پیشین گوئی حاصل کر سکتے ہیں اور اسے ایک باقاعدہ نظریاتی شکل دی جا سکتی ہے۔

شاعر کا بیان متخیلانہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے تخلیقی تجربے کو اپنے تخیل کے آئینے میں دیکھتا ہے اور پھر زبان میں اس کا اظہار کرتا ہے۔ چونکہ اس کا تخلیقی تجربہ اس کی قوتِ مشاہدہ کا پابند نہیں ہوتا لہٰذا منتشر خیالات کو ایک لڑی میں پرونا اکثر اوقات مشکل ہوتا ہے لیکن اقبال نے ایسی کسی بھی دقت کو ختم کر دیا ہے۔ "خضرِ راہ" میں واضح کہتے ہیں:

کھول کر آنکھیں مرے آئینۂ گفتار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

یہاں ان کا اشارہ تہذیبوں کے اس تصادم کی طرف ہے۔ اقبال کے ہاں یہ واضح تصور پایا جاتا ہے کہ مغربی تہذیب ایک علیحدہ وجود ہے جو اسلامی تہذیب سے جدا ہے۔ دونوں کے درمیان ایسے اختلافات موجود ہیں جو ناقابلِ عبور ہیں لہٰذا مسلمانوں کو اس کا شعور دلانا چاہیے کہ مغربی تہذیب ظاہر داری، مادی ترقی، سرمایہ داری، استحصال پر استوار ہے۔ یہ اس کی ظاہری چکاچوند ہے جو مشرق کی آنکھوں کو خیرہ کیے ہوئے ہے۔ مارچ 1907 کے عنوان سے لکھی گئی ایک غزل میں وہ اس حقیقت کو برسرِ عام واضح کرتے ہیں۔ سرمایہ داری کے بارے میں واضح کہتے ہیں:

دیارِ مغرب کے رہنے والو، خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا

اور اس کے نتائج کے بارے میں کہتے ہیں:

تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

یہ اقبال کا وہ پیام ہے جو مغرب کے رہنے والوں کے لیے ہے۔ ان کا خیال تھا کہ مغربی تہذیب کی بنیاد سرمایہ داری اور ظاہر پروری پر ہے۔ ان کے ہاں

انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے جو روحانی نمو چاہیے وہ نہیں ہے۔ ان کا یقین تھا کہ اسلامی تہذیب میں یہ قوت ہے کہ وہ دوبارہ دنیا میں عروج حاصل کرے گی۔ اسی غزل میں لکھتے ہیں:

سنا دیا گوشِ منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا

اقبال اپنے اس تصور کو بار بار دہراتے ہیں۔ ان کے نزدیک مغربی تہذیب کی ایک بڑی خرابی ان کا وطنیت کا محدود تصور ہے جبکہ اسلامی تہذیب اس سے بلند تر ہے۔ بانگِ درا میں "وطنیت" کے عنوان سے نظم میں لکھتے ہیں کہ جدید تہذیب نے جو بت تر شوائے ہیں ان میں:

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیراہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

ان کے خیال میں جدید عہد میں تصادمات کا باعث ہی وطن کا تصور ہے جبکہ مسلمان کے لیے یہ تصور ملت کا تصور ہے۔

گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشادِ نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

اس اسلامی تہذیب کو اقبال مختلف ناموں سے یاد کرتے ہیں، تہذیبِ حجاز، بزمِ ملتِ بیضا۔ ان کے نزدیک اسلامی تہذیب ہی یورپ کی بیسویں صدی کے عروج کی بنیاد ہے۔ قرطبہ کے بارے میں کہتے ہیں:

بجھ کے بزمِ ملتِ بیضا پریشاں کر گئی
اور دیا تہذیبِ حاضر کا فروزاں کر گئی

لیکن تہذیبِ حاضر نے صرف ظاہری علوم اور اقدار ہی حاصل کیں جس کا نتیجہ اقبال کے نزدیک فنا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کر بنائے مسکرات

تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ کاری ہے

اور آخر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں جو وہ لینن کی زبان سے ادا کرتے ہیں:

یورپ میں بہت روشنیٔ علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات
رعنائی میں، تعمیر میں، رونق میں، صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات
وہ قوم جو فیضانِ سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

اور سوال یہ ہے:

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تری منتظر روزِ مکافات

اقبال نے اسلامی اور مغربی تہذیبوں کے فرق کو ظاہر کیا اور پیشین گوئی کی کہ اسلامی تہذیب دوبارہ عروج پر آئے گی اور مغربی تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی کیونکہ اس کی بنیاد جن تصورات پر ہے وہ خام اور متضاد ہیں۔ اقبال کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ عالمِ اسلام دوبارہ عروج کی طرف گامزن ہوا، اسلامی ممالک نے آزادی حاصل کی۔ مغربی تہذیب نے بھی خودکشی کی ایک اور کوشش کی جیسے جنگِ عظیم دوم، سرد جنگ وغیرہ۔ لیکن اقبال کی پیشین گوئی کا دوسرا حصہ ابھی تک منت کش تعبیر ہے۔ نہ تو اسلامی تہذیب کو غلبہ حاصل ہوا اور نہ ہی مغربی تہذیب معدوم اور زوال پذیر ہوئی۔ اس کی کیا وجوہ ہیں۔

میرے نزدیک اقبال کی پیشین گوئی درست تھی۔ تہذیبوں میں تصادم شروع ہے۔ مغربی تہذیب نے اسلامی تہذیب پر جارحیت کر رکھی ہے۔ عالمِ اسلام میں اسرائیل کا وجود، بہارِ عرب کے بعد عرب ممالک میں مغربی مداخلت، افغانستان کی چالیس سالہ جنگ، عراق و شام میں مداخلت، اس کا ثبوت ہیں۔ علاوہ ازیں تمدنی اور کلچر کی سطح پر مغرب میں مسلم طریقِ زندگی اور اقدار کے خلاف ایک واضح اور فروغ پذیر تحریک وجود میں آ رہی ہے۔ یہ سب تہذیبی تصادمات ہیں اور ان کے نتائج ابھی سامنے آنے ہیں۔ افغانستان کی جنگ کے پہلے دور نے روس اور سرد جنگ کا خاتمہ کیا۔ آئندہ پردۂ فلک سے کیا ظہور پذیر ہو گا؟ پردہ اٹھنے کی نگاہ منتظر ہے۔ اب سی پیک نے اس تصادم میں نئے عوامل کا اضافہ کر دیا ہے۔ سی پیک چین کے نئے عہد اور نئی دنیا میں داخل ہونے کا اعلان ہے۔ یہ اعلان ہے کہ اب نئی دنیا وجود میں آ رہی ہے۔ کیا یہ نئی دنیا پیدا ہو سکے گی اور اس کا کیا رنگ ہو گا۔ یہ ابھی مستقبل کے پردہ میں ہے۔ اقبال یہ بھی تو کہتا تھا:

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب